اس حسن خلق کو اپنانے کی کوشش کریں جو توحید کی طرف لے کے جاتا ہے،نئی جلا دکھاتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 رجنوری 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

ہر دین میں اخلاق کو ایک ایسا مقام اور مرتبہ حاصل ہے گویا وہ دین کی روح ہے اور اخلاق کے لحاظ سے جو یہ تصور پایا جاتا ہے کہ دین ایک الگ بات ہے اور اخلاق ایک الگ چیز ہے اور بے دینوں میں بھی اعلیٰ اخلاق ملتے ہیں اس اشتباہ کو پہلے دور کرنے کی ضرورت ہے۔اخلاق تو انسانی تعلقات کے عمدہ اور بہتر اور گہری قدروں پر مبنی ہونے کو کہتے ہیں اور صرف انسانی تعلقات کے ساتھ ہی اخلاق کا واسطہ نہیں بلکہ بعض دوسری چیزوں سے بھی مثلاً جانوروں سے تعلقات کے معاملے میں بھی اخلاق کو ایک اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔پھر تمام دوسری چیزوں کے ساتھ بھی اخلاق کا ایک تعلق ہے خواہ وہ بے جان بھی ہوں۔تو اخلاق کی تعریف کو جتنا آپ وسیع کرتے چلے جائیں گے اتنا ہی اخلاق کا دائرہ بھی بڑھتا چلا جائے گا مگر سوال یہ ہے کہ مذہبی خلق اور غیر مذہبی خلق میں کیا فرق ہے اور اسلام جب اخلاق کی طرف ہمیں بلاتا ہے تو اس سے کیا مراد ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب اخلاق کی بات بیان فرمائی تو اسے عین دین ہی سمجھا ہے بلکہ دین کا بہترین حصہ قرار دیا ہے چنانچہ ابی الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا **مامن شیئی فی المیزان اثقل من حسن الخلق** (ابوداؤد) کہ رسول اکرم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ

خدا کے تول میں کوئی چیز اچھے اخلاق سے زیادہ وزن نہیں رکھتی۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جو میزان مقرر کرر کھے ہیں جن میں بندوں کا حساب کیا جائے گا ان میں سے زیادہ وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔تو دین کا ماحصل اخلاق ہیں اور اعلیٰ اخلاق سے دین کا فیصلہ ہوگا کہ کسی کا دین کیسا ہے۔

اس کی روشنی میں ایک بات تو قطعی طور پر ثابت ہوئی کہ اخلاق کو دین سے الگ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اخلاق دین کا پیمانہ بنتے ہیں۔خدا کے نزدیک کسی کے دین کے سچا ہونے یا اچھا ہونے کی علامت اس کے اخلاق ہوں گے۔اگر اخلاق برے ہوں گے تو اس کا دین برا ہے یا وہ دین کے معاملے میں برا ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** (سنن الکبری کتاب جز ۱۹۱) کہ میں **مکارم اخلاق** پر مبعوث کیا گیا ہوں۔اب یہ حدیث بہت ہی گہری حدیث ہے اور اس کا مطلب یہ کہ میری بعثت وہاں ہوئی جہاں اخلاق اپنے انتہا کو پہنچتے ہیں وہاں سے میں مضمون کو بڑھا کر آگے لے کے جاتا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کے ساتھ پیدا کیا گیا ہوں۔**بعثت لاتمم علیٰ مکارم الاخلاق** کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اعلیٰ اخلاق اپنی انتہا کو پہنچے وہاں میرا قدم تھا اور وہاں سے میں نے پھر معاملے کو آگے بڑھایا ہے۔یہ مفہوم قرآن کریم کی اس آیت کی تائید میں ہے یا قرآن کریم کی یہ آیت اس پر روشنی ڈالتی ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کہ یہ کتاب اور صاحب کتاب بھی لازماً اس میں داخل ہو جاتا ہے متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے تو آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ میں مکارم الاخلاق پر فائز فرمایا گیا ہوں یا وہاں سے میری بعثت شروع ہوئی ہے۔اس نے اس مسئلے کو حل کر دیا جو دین اور دنیا کے اخلاق کے درمیان فاصلہ دکھائی دیتا تھا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے خلق اگر کامل ہوں اور اچھے ہوں تو لازماً ان کے نتیجے میں مذہب پیدا ہوتا ہے اور مذہب اعلیٰ خلق کی بنیاد پر ہی قائم ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں ہوسکتا۔یہ بہت اہم اور گہرا مسئلہ ہے کہ سچا خلق وہ ہے جس کے نتیجے میں مذہب پیدا ہو اور کوئی مذہب سچا نہیں جس کی بنیاد اعلیٰ اخلاق پر نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات تو ہمیں معلوم ہیں بہت کثرت کے ساتھ روایات میں آپؐ کی نبوت سے پہلے کے اخلاق بھی محفوظ کر دیئے گئے ہیں لیکن دیگر انبیاءؑ جن کے حالات ہمیں

معلوم نہیں۔جس حد تک بھی معلوم ہیں وہ یہی پتا دیتے ہیں کہ تمام انبیاءؑ کی بنیاد اخلاق پر تھی اور اخلاق پہلے تھے مذہب بعد میں آیا ہے اور کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ ایک بدخلق انسان کو مذہب نے بااخلاق بنایا ہو اور اس طرح وہ اس سلسلے میں نبی بن گیا ہو۔کسی بدخلق کو خدا نے نبوت کے لئے نہیں چنا۔تو جو دنیا کے اخلاق دکھائی دیتے ہیں ان میں اگر سچائی ہو تو وہ مذہب کی طرف لے جانے والے ہیں مذہب کے علاوہ اپنی ذات میں کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے بلکہ وہی خلق جب ترقی کرتے ہیں تو وہ مذہب پر منتج ہوتے ہیں اور یہ وہ فلسفہ ہے جو درحقیقت خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔

لینن جیسا شخص جو دہریہ تھا خدا کی ہستی کا قائل نہیں تھا اس نکتے کو بہر حال وہ سمجھ چکا تھا کہ اگر ہم نے اخلاق کو قبول کر لیا تو لازماً ہم خدا کی طرف مائل ہو جائیں گے۔چنانچہ بہت لمبا عرصہ اس کا اختلاف رہا اپنے اور کیمونسٹ راہنماؤں سے اور اس پر اس نے کتاب بھی لکھی اور لمبے مضامین بھی درج کیے۔اس کا مبحث یہ تھا، لڑائی اس بات پر تھی کہ کیمونسٹ لیڈر شپ میں بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ اخلاق کے بغیر ہمارا گزارا نہیں ہے اس لئے ہمارا نظام ناکام ہو جائے گا اگر ہم نے اخلاق کو ترک کر دیا، تو ہمیں ضرور اخلاق کی طرف واپس لوٹنا ہے اور لینن کہتا تھا کہ اگر تم نے یہ بات تسلیم کر لی تو تم خدا کی طرف لوٹو گے۔اس خدا کی طرف لوٹو گے جس کو تم بھی خیر باد کہہ آئے ہو اور میں بھی کہہ آیا ہوں جس خدا سے مارکس نے ہمارا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا تھا تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم مذہبی ہو گئے ہو۔یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم لامذہبیت سے مذہب کی طرف لوٹ رہے ہیں۔نہ وہ یہ کہنا چاہتا تھا نہ اس میں یہ جرأت تھی یعنی اس کا مدمقابل Bogdanov بہت ہی مشہور روسی لیڈر تھا، اس کا ساتھی بھی تھا۔وہ یہ تو نہیں کہتا تھا مگر اس کے بغیر اپنی بات پوری کرنا چاہتا تھا اس کی بات میں گہری سچائی تھی کہ کوئی بھی دنیا کا نظام اخلاق کے بغیر چل نہیں سکتا خواہ وہ مذہبی نظام ہو یا غیر مذہبی نظام ہو اور لینن کی بات بھی سچی تھی کہ یہ ناممکن ہے کہ اخلاق حقیقی ہوں اور وہ خدا کی طرف نہ لے جائیں کیونکہ اخلاق کا منبع خدا ہے اور اخلاق خدا سے پھوٹتے ہیں اور خدا ہی کی طرف لے جاتے ہیں۔یہ تفصیلی بحث کا تو اس وقت موقع نہیں ہے کہ اس میں پڑ کے وجہ بتاؤں کہ کیوں لینن سچا تھا، کیوں اخلاق لازماً خدا کی طرف لے جاتے ہیں۔مگر آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔یہ حقیقت تو خوب کھل جاتی ہے کہ اخلاق

اگر سچے ہوں تو وہ ضرور خدا کی طرف لے کے جاتے ہیں اور خدا والوں کا قدم اعلیٰ اخلاق پر ہوتا ہے۔ وہاں سے ان کی سربلندی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ جہاں دنیا کا سفر ختم ہو جاتا ہے وہاں سے وہ دوسرا قدم اٹھاتے ہیں جو آسمان کی بلندیوں کی طرف ان کو لے جاتا ہے۔

تو دنیاوی خلق اچھے بھی ہو سکتے ہیں مگر اگر وہ Dead ہوں یعنی ان کے اندر زندگی نہ ہو اور مزید نشوونما پانے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو وہ مردہ چیزیں ہیں، اخلاق کی نقالی ہے مگر اخلاق نہیں کہلا سکتے اور ایسے اخلاق جو نقالی ہوں، جن میں گہری روح نہ ہو وہ ہمیشہ آزمائش کے زلزلوں پر آ کر منہدم ہو جایا کرتے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اخلاق کی اگر حفاظت کرنی ہے تو خدا سے تعلق جوڑو۔ خدا کے تعلق کے بغیر وہ اخلاق جو سرسری ہیں، دیکھنے میں اچھے بھی دکھائی دیں تو ان میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور جب بھی دنیا میں جنگیں ہوئی ہیں اور عظیم ابتلاء آئے ہیں یہ بات بار بار کھل کر ثابت ہوئی ہے کہ وہ لوگ جن کے اخلاق کی بنیاد خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پر تھی ان کے اخلاق کو کبھی ٹھوکر نہیں لگی۔ سخت سے سخت آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے مگر ان کے اخلاق اپنے حال پر قائم رہے اور زلزلے ان کو منہدم نہ کر سکے، گرا نہیں سکے، لیکن وہ قومیں جو بہت ہی اعلیٰ اخلاق پر فائز دکھائی دیتی رہی ہیں جب بھی ابتلاء آئے ہیں اور زلازل آئے ہیں تو ان کے اخلاق اس طرح منہدم ہو گئے کہ ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔

جنگ عظیم کا حال آپ پر روشن ہے آج بھی کبھی کبھی ان مظالم کی داستانیں دہرائی جاتی ہیں بعض Documentries پیش کی جاتی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ جنگ عظیم کے دوران مغربی قوموں نے خود دوسری مغربی قوموں پر کیسے کیسے مظالم توڑے ہیں۔ ایسے خوفناک نقشے دکھائے جاتے ہیں کہ ان کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ دراصل دہریت کی پیداوار ہے۔ وہ اخلاق جو دہریت کے اردگرد ملمع کے طور پر ہوں ان کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ جب وہ ملمع اترتا ہے تو اندر سے ایک خوفناک بھیڑیا یا اس سے بھی زیادہ ظالم جانور نکلتا ہے باہر اور وہ پنجے باہر نکالتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ یہ محض ایک دکھاوا تھا ورنہ درحقیقت اندر کچھ بھی نہیں تھا۔

تو آنحضرت ﷺ جن اخلاق پر فائز ہوئے ہیں وہ زندہ اخلاق تھے، یقینی تھے اور اسی وجہ سے آپؐ کو نبوت پر سرفراز فرمایا گیا اور پہلے انبیاءؑ بھی اخلاق ہی کے رستے سے نبوت پر فائز ہوئے مگر

وہ سب اخلاق جن پر وہ فائز تھے ان سب کو مکارم الاخلاق نہیں کہا جاسکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا قدم جن اخلاق پر پڑا ہے ان میں سے ہر ایک، ایک چوٹی تھا۔ کوئی بھی ایسا خلق نہیں ہے جو اپنے دائرے میں چوٹی کا خلق نہ ہو، وہاں سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نبوت کا سفر شروع ہوتا ہے۔ پس آپؐ جب فرماتے ہیں **اثقل من حسن الخلق** کہ خدا کی میزان میں حسن خلق سے بہتر اور کوئی وزن دار چیز نہیں تو یہاں کسی ایسے خلق کا ذکر نہیں جو مذہب سے الگ خلق ہو بلکہ حقیقت میں مذہب ہی کی تعریف کی گئی ہے۔

مذہب اعلیٰ اخلاق سے پھوٹتا ہے اور اعلیٰ اخلاق کو مزید صیقل کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ خدا سے بندے کا تعلق قائم کراتا ہے اور خدا تعالیٰ کا کسی اپنے ایسے بندے سے تعلق قائم نہیں ہوسکتا جو بدخلق ہو۔ اس لئے روزمرہ کی زندگی میں جو لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہے تو بڑا نیک مگر بڑا بداخلاق ہے، یہ بالکل جھوٹی بات ہے یا وہ بداخلاق نہیں ہے یا وہ نیک نہیں ہے کیونکہ نیکی کے ساتھ بدخلقی چل ہی نہیں سکتی۔ نیکی کا وسیع دائرہ اخلاق کے تمام دائرے پر حاوی ہوتا ہے اور بدخلقی اور نیکی کے اندر ایک تضاد پایا جاتا ہے جو اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں جی نمازیں تو بہت پڑھتا ہے لیکن یہ یہ باتیں بھی ہیں۔ تو جو جو باتیں ہیں ان ان باتوں میں نمازوں کی نفی ہوگئی ہے۔ پس محض ظاہری دین پر عمل کرنا کافی نہیں جب تک کہ جس حصے پر عمل ہورہا ہے اس حصے کے اخلاق بھی صیقل نہ ہو جائیں۔ دین کے مختلف حصے ہیں اور ہر حصے کا کسی نہ کسی انسانی خلق سے ضرور تعلق ہے تو اگر کلیۃً کوئی سو فیصدی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی پیروی نہیں کرسکتا تو کم سے کم اس راز کو سمجھ لے کہ اگر وہ سچا ہے اپنے خلق میں تو اتنا حصہ اس کا دین کا اور زیادہ روشن ہوجانا چاہئے اور اگر وہ دین میں سچا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کے دین کے سائے تلے بدخلقی پنپ رہی ہو۔ اس لئے جہاں جہاں بدخلقی ہے۔ وہاں بے دینی کی علامت ہے، وہاں اگر دہریت کی نہیں تو خدا پر ایمان میں نقص کی علامت ہے۔ پس اس طرح ہر انسان اپنی ذات کا تعارف خود حاصل کرسکتا ہے۔ کتنا بدخلق ہے اور کتنا دیندار ہے کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں خود انسان اپنی ذات میں کھو کر مختلف موقعوں پر اپنے ردعمل کو دیکھے چھوٹی سی بات کے اوپر بعض دفعہ اتنے ہنگامے کھڑے کردیئے جاتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں بعض دفعہ خاندان ٹوٹ جاتے ہیں بعض دفعہ اور بہت

بڑی بڑی مصیبتیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔لیکن وہ چھوٹی سی بات ایک شخص کی انا کا مسئلہ ہوتا ہے۔وہ کہتا ہے یہ ہوتا کون ہے میرے سامنے یہ کہنے والا اور یہ انا جو ہے یہ ایسی دھوکے والی چیز ہے کہ بعض دفعہ بعض لڑائیاں اس بات پر ہوئی ہیں کہ اس نے مجھے جھوٹا کہہ دیا ہے یہ کون ہوتا ہے مجھے جھوٹا کہنے والا میں کہاں سے جھوٹا ہو گیا اور ایک دفعہ میں نے شاید پہلے بھی ذکر کیا تھا یا نہیں۔ایک صاحب جن کو میں جانتا تھا کہ بے حد جھوٹے ہیں ان کا کسی سے مقدمہ ہوا اور انہوں نے میری طرف وہ حوالہ بھیجا اور خلاصہ یہ تھا کہ دیکھیں اس نے مجھے جھوٹا کہا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں جھوٹا نہیں ہوں۔اب میں اس کو کیا جواب دیتا؟ جس کا جھوٹ مشہور تھا سب جانتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ انانیت اتنا دھوکہ دے دیتی ہے انسان کو کہ خود اپنے آپ سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور جو اپنے سے غافل ہوا وہ دنیا جہان سے غافل ہو جاتا ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ جو اللہ سے غافل نہ ہو وہ اپنے آپ سے غافل ہو ہی نہیں سکتا۔یہی مضمون ہے جو قرآن کریم نے ہمیں سمجھایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿الحشر: 19،20﴾

دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ان کو اپنے آپ کو بھلا دیا۔اب اپنے آپ کو کون بھولا کرتا ہے سوائے اس پاگل کے جس کو ہوش ہی نہ رہے تو یہاں اپنے آپ کو بھلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے حال سے بے خبر ہو جاتے ہیں،ان کو اپنے نقائص کا علم ہی نہیں رہتا اور وہ ایک غفلت کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔اپنی ذات سے زیادہ قریب اور انسان کس کے ہو سکتا ہے مگر اپنی ذات میں رہتے ہوئے اپنی ذات سے بے خبر رہتے ہیں اور ان کو پتا ہی نہیں میں کون ہوں اور میں کیا ہو رہا ہوں۔تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے اور یہ یاد رکھیں کہ اللہ سے سب خُلق کا تعلق ہے جو خدا کے شعور میں رہتا ہے وہ اپنے شعور میں بھی رہتا ہے۔جو خدا کو بھلا دیتا ہے خدا کا شعور اس کے دل سے اٹھ جاتا ہے اس سے اپنے نفس کا بھی شعور اٹھ جاتا ہے تو خُلق کا بھی یہی حساب ہے۔

تمام وہ خُلق جو اللہ کے تعلق سے پیدا ہوتے ہیں وہ دنیا کے تعلقات پر بھی اسی طرح

اعلیٰ درجے پر اثر انداز ہوتے ہیں جیسے اللہ کا تعلق کسی بندے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آپ اپنا تعلق خدا سے درست کریں تو اس کا نام بھی ایک خلق ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو **مکارم الاخلاق** پر قدم رکھ کر سفر شروع کیا ہے تو مراد یہ ہے کہ وہ لمحہ جب خدا آپ پر ظاہر ہوا اور واضح طور پر اپنی طرف آنے کی ہدایت کی ہے اس سے پہلے بھی آپ اخلاق میں کامل تھے لیکن وہ ایک سرشت کی صفائی تھی، ایک فطرت کی نفاست تھی جس کو خدا تعالیٰ خلق کا نام دیتا ہے۔ لیکن بہترین تھی، ایسی روشن تھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر آسمان سے شعلہ نور نہ بھی گرتا تب بھی وہ ایسا پاک سرچشمہ تھا اخلاق کا کہ از خود بھڑک اٹھنے کے لئے تیار تھا۔ مگر جو باقی سفر ہے وہ پھر خدا کے حوالے سے خدا سے تعلقات استوار کرنے کا سفر ہے اور خلق کا آخری مقصد خدا سے تعلق درست کرنا ہے دنیا کے تعلقات خلق کا مقصد نہیں ہیں خلق اس لئے پیدا کیا جاتا ہے کہ خدا سے تعلق قائم ہو اور جب خدا سے تعلق قائم ہو جائے تو آج جتنا اعلیٰ خلق ہوگا اتنا تعلق کا معیار بڑھتا چلا جائے گا۔

یہ نکتہ بھی بہت اہم اور محض فلسفیانہ نکتہ نہیں بلکہ روزمرہ کی زندگی سنوارنے کے لئے اس کا سمجھنا بے انتہا ضروری ہے بعض دفعہ Crude لوگ ہوتے ہیں موٹی عقل والے، موٹی باتیں کرنے والے، ان میں نیک بھی ہوتے ہیں۔ یہ فتویٰ باہر سے بیٹھے نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ چونکہ Crude ہے، اس کی بات میں سلیقہ نہیں، سختی ہے، کرختگی ہے اس لئے وہ ضرور بد ہوگا کیونکہ بعض دفعہ اس کی ان عادات میں اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بچپن سے ایسے ماحول میں پلا ہے ایسے حالات اس کو میسر آئے ہیں کہ بدخلقی کے طور پر نہیں بلکہ عادت مستمرہ کے طور پر، ایک جاری عادت کے طور پر اس نے بعض رنگ ڈھنگ سیکھ لئے ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ اسے بدخلق کہا جائے، مگر کہا جائے یا نہ کہا جائے یہ ہے بدخلقی۔ مگر ایسی بدخلقی نہیں جس میں اس کے ارادے کا دخل ہے اس لئے ایسے لوگ بھی نیک ہوتے ہیں۔

کئی ایسے لوگ مجھے یاد ہے بچپن میں ہم نے دیکھے، بعد میں بھی نظر آئے کہ روزمرہ کی باتوں میں، سلیقے میں بڑے وہ Crude کہتے ہیں جس کو یعنی کرختگی پائی جاتی ہے ان کے مزاج، باتیں کرنے کے طریقے میں، اظہار میں بھی کرختگی پائی جاتی ہے لیکن جس طرح ان کی زندگی دوسرے میدانوں میں اپنے عمل دکھاتی ہے صاف پتا چلتا ہے کہ نیک لوگ ہیں اور ان کی نیکی کا انکار

نہیں ہوسکتا۔ ایسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ میں سے بھی بعض تھے بچپن سے ان کی پرورش ایسی ہوئی ہے یعنی غیر ماحول سے آئے ہیں جہاں وہ گلیوں میں جس طرح Crude and Rough Tough کے ساتھ مقابلے ہوتے ہیں اس طرح ان کی زندگیاں گزریں اور طبیعت میں ایک دبدبہ اور جوش اور سختی سی پیدا ہوگئی۔ نیکی نے اس کو بہت نرم کیا مگر ایک حد تک وہاں ایک سختی کی جوان کی حد جہاں شروع ہوتی تھی وہاں نیکی اس حد کو توڑ نہیں سکی، وہ اپنی جگہ قائم رہتی تھی۔ نیکی کے دائرے میں بھی وہ قائم رہتی تھی۔ چنانچہ ہمارے ایک بزرگ ہوا کرتے تھے وہ صحابیؓ تھے ان کے دماغ میں یہ تھا کہ نماز میں جو صف کے آگے سے گزرے گا چونکہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس لئے اس کے نتیجے میں کچھ ہونا چاہئے۔ اب دیکھیں اخلاق کے نتیجے میں، اخلاق کے معیار بدلنے سے نیکی کی تعریفیں بھی کتنی بدلتی جاتی ہیں۔ ایک آدمی بااخلاق ہے اور اس کے اندر نرمی پائی جاتی ہے اس کی نماز کے سامنے سے کوئی آدمی گزرے گا تو وہ اس کے لئے استغفار کرے گا دعا کرے گا اللہ معافی دے اس کو اور ایک یہ تھے یہ دوقدم آگے بڑھ کے اس زور سے دوھپڑ مارتے تھے اور تھے مضبوط آدمی کہ وہ لڑھکنیاں کھاتا دور جاکے پڑتا تھا اور بعض بچے بے چارے تو حیران رہ جاتے تھے کہ یہ بلا آئی کہاں سے ہے۔ بے دھیانے اپنے خیال میں جارہے ہیں یہ نہیں پتا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں جن کا اخلاق کا معیار یہ ہے اور وہ ان کو دھکا دے کر پھر جاکے پڑھتے تھے، پھر دیکھ کے اچھا اچھا یہ فلاں صاحب ہیں جو نماز پڑھ رہے تھے تو کافی شہرت ہوئی تھی لوگ ڈر کے گزرا کرتے تھے مگر یہ نہیں میں کہہ رہا کہ چونکہ وہ اس معاملے میں بدخلق تھے اس لئے وہ بے دین بھی تھے **نعوذ باللہ من ذالک**۔ ان کی ساری زندگی تقویٰ کے ساتھ گزری، نیک، مسیح موعودؑ کے صحابہؓ میں شمار لیکن جب اخلاق کرخت ہوں تو خدا سے تعلق میں بھی ایک حد قائم ہو جاتی ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا لیکن جتنے اخلاق اعلیٰ ہوں اللہ کا تعلق بھی اتنا ہی اعلیٰ ہوتا چلا جاتا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ نے جو تمام انبیاءؑ سے بڑھ کر خدا کا قرب حاصل کیا ہے تو اس کا راز اس بات میں ہے کہ آپ کو مکارم الاخلاق پر فائز کیا گیا تھا۔ آپ پہلے ہی اتنے اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے کہ جو سفر وہاں سے شروع کیا ہے اس کے بعد کسی اور کے مقابلے کا سوال ہی نہیں رہتا تھا۔ Lead لے گئے ہیں بہت زیادہ اور پھر خدا کے ہر تعلق میں اپنے خلق کو استعمال کیا ہے۔ اب تعلق کے

معاملے میں آپ روز مرہ انسانی تعلقات کے دائرے میں غور کر کے دیکھیں وہ شخص جو اعلیٰ خلق رکھتا ہے وہ رفتہ رفتہ دلوں کو جیتتا چلا جاتا ہے۔اس سے جب آپ بات کرتے ہیں، کوئی معاملہ کرتے ہیں، کبھی غلطی بھی کرتے ہیں تو اکثر اس کا ردعمل ایسا ہوتا ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک بدخلق انسان بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ زیادتی کرنے والا بھی اگر اس میں کوئی زندگی کی رمق باقی ہو وہ زیادتی چھوڑ کر اس جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے جو اس کا اخلاق کے لحاظ سے محسن اور معلم ہو۔

تو اللہ تعالیٰ سے جب انسان اپنی عبادتوں میں یا روز مرہ کے معاملات میں ایک تعلق قائم کرتا ہے تو یہ فیصلہ کہ وہ تعلق کہاں تک اس کو لے جائے گا یہ اس شخص کے اپنے خلق پر منحصر ہوتا ہے۔ جتنا اعلیٰ خلق کا انسان ہوگا اتنا ہی اس کا سفر زیادہ بلندی کی طرف، زیادہ اعلیٰ مقام اور مراتب کی طرف اس کو لے جائے گا اور اسی مضمون کو آنحضرت ﷺ نے یوں بھی بیان فرمایا انا عندظن عبدی بی کہ اللہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میں اپنے بندے کے اپنے متعلق ظن کے مطابق ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھے جیسا گمان کرتا ہے (اور اس گمان کے مطابق سلوک کرتا ہے یہ اس میں شامل ہے) میں اسی طرح اس کے لئے ہوتا چلا جاتا ہوں۔ تو ایک شخص کا اخلاق کا دائرہ چھوٹا ہو تو خدا کی ذات لامتناہی ہے اس کے برتن میں خدا اتنا ہی آئے گا جتنا اس کے اخلاق کا دائرہ ہوگا اور ظرف کے مطابق خدا ڈھلے گا۔ پس اَنَـا عِـنْدَظَنِّ عَبْدِی بِیِ (بخاری کتاب التوحید) کا مطلب ہے کہ میں ہر شخص کے ظرف کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالتا ہوں۔ اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ میرے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ تو اپنے ظروف بڑے کرو کیونکہ میں پورا تو تمہارے اندر آ ہی نہیں سکتا مگر تمہیں باقیوں کے مقابل پر اپنے اندر کم دکھائی دیا تو تمہارے برتن کا قصور ہے، میرا قصور نہیں۔ یہ جو ظرف کا مضمون ہے یہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور آنحضرت ﷺ کے تعلقات، آپ کی ایک دوسرے کے مقابل پر جو حیثیت تھی اس کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کریم میں استعمال فرمایا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا اے خدا مجھے دکھا اپنا چہرہ۔ اللہ نے کہا تجھے ظرف نہیں ہے حالانکہ موسیٰؑ پر بھی تو خدا ظاہر ہوا تھا۔ وہ کیا بات تھی کہ جب بلایا کہ آ میرے پاس اور آگ میں سے ایک آواز آئی، روشنی نکلی۔ تو وہ اگر رویت نہیں تھی تو کیا چیز تھی۔ تو ایک طرف یہ بات ہے دوسری طرف انکار ہو رہا ہے کہ نہیں تو مجھے نہیں دیکھ سکتا اس سے مراد صرف یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ پر جلوہ گر ہونے والے خدا کو دیکھنا چاہتے تھے اور اللہ نے فرمایا کہ تجھ

میں یہ طاقت نہیں ہے اس کے لئے اتنا بڑا دل، اتنا بڑا حوصلہ، اتنی بڑی وسعت چاہئے اور اس پہلو سے خدا جب آنحضرت ﷺ پر ظاہر ہوا ہے تو آپ کے مکارم اخلاق سے جو سفر شروع ہوا ہے اس کے نتیجے میں آپ کی قلبی اور روحانی وسعتوں کے مطابق نازل ہوا ہے۔

پس روزمرہ کی زندگی میں بھی یہ طور والے واقعات تو نہیں پیش آتے مگر کہانی وہی ہے۔ ازل سے یہی کہانی ہے درجہ بدرجہ دہرائی جاتی ہے کہیں تھوڑی، کہیں زیادہ۔ پس اپنے اخلاق کی فکر کریں اگر آپ بدخلق ہوں تو کیا یہ درست نہیں کہ دنیا بھی آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے۔ اپنے بچے بھی جدا ہو جاتے ہیں، بیویاں واویلے کرتی ہوئی طلاقوں کی درخواستیں دینے لگتی ہیں۔ تو جس شخص کا یہ حال ہو اس کا یہ گمان کہ میں بہت نیک ہوں اور اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جس کے بیوی بچے متنفر ہو جائیں، جس کا ماحول اس سے بھاگے، ہمسائے پناہ مانگیں اور وہ اس خیال میں زندگی گزار دے کہ میں خدا کا پیارا ہوں اور میں نمازیں پڑھ لیتا ہوں اور میرے لئے بہت کافی ہے، یہ بالکل جھوٹ ہے، جہالت کی زندگی ہے۔ پس اپنے اخلاق کی حفاظت کریں ورنہ آپ دنیا میں نہ گھر میں کامیاب ہو سکتے ہیں، نہ ہی وطن میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور ساری دنیا کو اپنی محبت میں گرفتار کر کے جو آپ نے ان کی اصلاح کرنی ہے اس کی باتیں محض خواب کی باتیں ہیں، ایک دیوانے کی بڑ ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

تو جتنا میں اخلاق پر زور دے رہا ہوں اس کے کچھ نیک نتائج بھی نکل رہے ہیں لیکن بعض ایسے ضدی ہیں جو اپنی ضد پر اسی طرح قائم ہیں۔ اصل میں جب یہ آواز ان تک پہنچی ہے تو چونکہ وہ خدا کو بھلا بیٹھے ہیں اس لئے اپنے نفس کو بھی بھلا چکے ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کسی اور کی بات ہو رہی ہے اور یہ ایک ایسا گہرا نفسیاتی نکتہ ہے جو ہمیشہ کارفرما ہوتا ہے اور جہاں بھی ہوتا ہے لوگ اپنے حال سے اندھے ہی رہتے ہیں۔ بعض لوگ اپنا ایک مقام سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ اس سے ہٹ کر سوچ بھی نہیں سکتے۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے کوئی بات کرنی تھی اور مجلس لگی ہوئی تھی۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ مجھے کچھ بات کرنی ہے پرائیویٹ یا مجھے یاد نہیں کہ کیا عذر اس وقت پیش فرمایا تھا آپؓ نے مگر یہ بات کھل کر سامنے لے آئے کہ بہتر ہے کہ جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں بے وجہ وہ اٹھ کر چلے جائیں۔ تو ایک آدھ آدمی اٹھا ہے باقی سب بیٹھے رہے پھر آپؓ نے دوبارہ کھول

کر بات کی تو پھر ایک دو آدمی اٹھ کر چلے گئے اور باقی پھر بیٹھے رہے۔تو دو تین دفعہ اس طرح ہوا تو آخر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے فرمایا کہ عوام الناس تو چلے گئے ہیں اب چوہدری بھی چلے جائیں۔مراد یہ تھی کہ جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں وہ عام حکم سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھنے لگتے ہیں اور چوہدری سے مراد زمیندار چوہدری نہیں بلکہ چوہدراہٹ کا ایک تصور ہے کہ میں عامتہ الناس نہیں، میں بڑا ہوں۔تو یہ بیان فرمایا اور واقعہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اندرونی طور پر بڑا سمجھ رہا ہو اس کو پتا ہی نہیں لگتا کہ مجھ سے کوئی مخاطب ہو رہا ہے۔تو جب میں یہ خطبات دیتا رہا ہوں تو بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاق پر پہلے سے فائز سمجھ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے متعلق نہیں کسی اور کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں ۔ یہ جو کہا ہے کہ بد خلقی نہ کرو تو ضرور میری بیوی کی بات ہو رہی ہے میری بات نہیں ہو رہی اور شاید وہ پہلے سے بھی بڑھ کر بیوی پہ سختی کر رہے ہوں کہ خطبہ نہیں سنا تم نے ،ابھی بھی تم اسی طرح بدتمیزی سے بات کر رہی ہو۔تو ہر انسان اپنی بدتمیزی کے لئے بھی کچھ ایسے حجرے تعمیر کر لیتا ہے جن میں قلعہ بند ہو کے بیٹھ جاتا ہے اور بیرونی باتیں اس پر اثر انداز ہی نہیں ہوتیں۔ ہر انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتا تو لوگوں کی نظر کے آئینے سے ہی دیکھنے کی کوشش کرے۔

ایک شخص جس سے سوسائٹی تنگ آئی ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے اس کو پتا نہ لگے کہ میرے خلاف باتیں ہو رہی ہیں لیکن ہوتی ہیں تو وہ کہتا ہے دیکھو سارے میرے پیچھے پڑ گئے ہیں ۔بس لوگوں کو عادت ہے اٹھ کر میرے خلاف باتیں شروع کر دیتے ہیں۔حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس میں کچھ حقیقت ہوتی ہے۔دنیا یونہی کسی کے پیچھے نہیں پڑا کرتی بلکہ کچھ بدخلقیاں ظاہر ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ سوسائٹی دور ہونے لگتی ہے۔تو اپنی فکر کرو،اپنے اخلاق کی نگرانی کرو اور اگر اپنی آنکھ سے دکھائی نہیں دے رہا تو معاشرے کی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کرو کہ تم کیا ہو۔غالب نے ایک موقع پر اس مضمون کو یوں بیان کیا:

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

کہ سختی سہی لیکن یہ تو نہیں کہ جس سے بھی بات کرو وہ شکایت کرے اور جو شکایت کرے تم اس کے پیچھے پڑ جاؤ کہ دیکھو یہ بھی ایک اسی طرح کا ہو گیا، مجھ معصوم پر یہ بھی برسنے لگ گیا تو جب

سب دنیا باتیں کرتی ہے تو اسے نقارۂ خدا بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ کی آواز ہوتی ہے لوگوں کی زبانوں سے بلند ہوتی ہے۔

پس وہ لوگ جن کے ساتھ معاشرہ ایسا سلوک کر رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بدخلق ہیں ان کو تسلیم کر لینا چاہئے، اپنی عادتیں بدلنی چاہئیں اور وہ کرنا چاہئے جس کو قرآن کریم دعوت الی اللہ کے لئے ایک کامیاب گر کے طور پر پیش فرماتا ہے فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ (حم سجدہ:35) فرمایا دو قسم کے سفر ہیں، یہاں تو ایک سفر کا ذکر کیا ہے۔ایک سفر وہ ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ دوست ہے وہ بھی دشمن بنتے چلے جاتے ہیں۔قریبی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، بیٹیاں خط لکھتی ہیں باپ کے عذاب سے بچنے کے لئے دعا کی خاطر اور ایک سفر وہ ہے جو قرآن کریم دعوت الی اللہ کا سفر بیان کرتا ہے فرماتا ہے فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ اس سفر میں تمہاری صفات ایسی ہونی چاہئیں کہ وہ جو تمہاری جان کا دشمن ہو رفتہ رفتہ تمہارے حسن خلق سے متاثر ہو کر وہ تم پر اپنی جان نچھاور کرنے والا دوست بن جائے۔یہ صفات تم میں ہوں تو تم کامیاب داعی الی اللہ بن سکتے ہو ورنہ نہیں بن سکتے۔تو دعوت الی اللہ کا کتنا گہرا راز خدا تعالیٰ نے ہمیں سمجھا دیا اور یہ راز اعلیٰ اخلاق کے بغیر سمجھ آ ہی نہیں سکتا اور یہ وہ سفر ہے جو اعلیٰ اخلاق کے بغیر طے ہو ہی نہیں سکتا۔

پس آپ اپنے خلق کو اس طرح ڈھالیں اور یہ بات اگر بھول بھی جائیں کہ آپ پہلے کیا تھے تو کم سے کم آئندہ کے لئے یہ واضح مقصد اپنے پیش نظر رکھیں کہ آپ نے دوستوں کو دشمن نہیں بنانا، ہر ایسے موقع سے احتراز کرنا ہے جہاں دوست دشمن بن جاتے ہوں اور اس کے برعکس ہر ایسا کام کرنا ہے جس سے دشمن دوست بنتا ہو۔اللہ فرماتا ہے اگر ایسا کرو گے تو پھر تم کامیاب ہو اور یہ مضمون دعوت الی اللہ کا ہے وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا (حم سجدہ: 34) یہاں سے بات شروع ہوئی ہے۔اس سے بہتر بات کہنے والا اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے لیکن خود حسن عمل سے اپنے قول کی سچائی کو ظاہر کر دے۔ایسے نیک اعمال والا ہو کہ اگر وہ خدا کی طرف بلائے تو اس کی بات میں اس کے عمل کی وجہ سے حسن پیدا ہو کوئی تضاد نہ ہو۔یہ مضمون بیان کرتے ہوئے آخر اس بات پر پہنچایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دشمن کو بھی جاں نثار دوست میں تبدیل

کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ صفات محض جہاد کے دوران سامنے نہیں آتیں یا اس وقت نہیں بنا کرتیں، پہلے روزمرہ اپنے گھر میں یہ تخلیق پاتی ہیں، گھر میں پرورش پاتی ہیں، وہاں بڑھتی ہیں اور نمایاں ایک طرز اختیار کر لیتی ہیں، پھر جب ایسا شخص میدان جہاد میں نکلتا ہے تو لازماً وہی ہوتا ہے جس کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے۔ مگر کوئی کہے کہ گھر پہ تو میرا یہ سلوک ہوگا کہ دوستوں کو دشمن بناؤں گا۔ محلے میں تو یہ سلوک ہوگا جو خیر خواہ تھے وہ بدخواہ ہوتے چلے جائیں لیکن جب میں خدا کی خاطر نکلوں گا تو پھر میں یہ توقع رکھوں گا کہ دشمن بھی جاں نثار دوست بن جائیں یہ جہالت کی باتیں ہیں محض فرضی قصے ہیں کوئی بھی حقیقت نہیں۔

جہاد کے لئے قرآن کریم نے تیاری کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اچانک جہاد شروع کر دو۔ فرمایا جہاد کی تیاری رکھو۔ اور ہر وقت تیاری رکھو آنحضرت ﷺ نے تو ایک موقع پر فرمایا کہ جو شخص جہاد کی خاطر گھوڑے پالتا ہے اور ان کا خیال رکھتا ہے تو ایسے گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی میں اس کے لئے برکتیں رکھ دی جاتی ہیں۔ تو تیاری جو ہے وہ جہاد سے قبل ضروری ہے اور یہ وہ تیاری ہے جو آپ کو گھر پر کرنی ہوگی۔ اگر نہیں کی تو پھر یہ خیال کر لینا ہے کہ جب آپ دشمنوں کو تبلیغ کریں گے تو وہ محبت کا سلوک کریں گے یا جاں نثار ہو جائیں گے یہ فرضی باتیں ہیں کچھ بھی اس میں حقیقت نہیں۔ عملاً آپ کی بقاء کے لئے ضروری ہے کیونکہ دعوت الی اللہ سب سے کڑوا کام ہے اور سب سے خطرناک اس لئے کہ خدا کے نام پر، خدا کی وجہ سے، خدا کے دشمن آپ کے دشمن بن جاتے ہیں اور جو خدا کے دشمن ہوں ان کے اندر کوئی حیا، سلیقہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ان کی دشمنی کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ انہیں خود بھی خدا پر پورا یقین نہیں ہوتا۔ وہ دنیادار ہو چکے ہوتے ہیں۔ خدا کی باتیں پسند ہی نہیں کرتے اور بعض دفعہ خدا کے نام پر خدا کی مخالفت کر رہے ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں سے آپ کو رحم کی توکوئی توقع نہیں ہوسکتی۔ ایسے لوگوں کے سامنے آنا اور ان سے ٹکر لینا بہت خطرناک بات ہے مگر اللہ نے اس کا ہمیں سلیقہ سکھا دیا اور وہ یہ سکھا دیا کہ اپنے اخلاق کو ترقی دو۔ ایسے اعلیٰ اخلاق کے حامل بن جاؤ کہ جن کے نتیجے میں دشمن ضرور دوست بن جایا کرتے ہیں اور یہ ہوتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم نے دیکھا ہے کہ اعلیٰ خلق والا بالآخر ضرور کامیاب ہوتا ہے اور اس کے محبت کرنے والے اور اس کے تعلق رکھنے والوں کا دائرہ دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے۔

تو تبلیغ کے لئے اعلیٰ خلق سے مزین ہونا انتہائی ضروری ہے اور قیامت کے دن جو وزن خلق کا کیا جائے گا وہ یہ مراد ہے۔ تم میں جس حد تک محمد رسول اللہ کے اخلاق کی خوشبو پائی جائے گی اس کی ادائیں تمہارے اندر پائی جائیں گی اتنا ہی تمہارا پلڑا بھاری ہوگا پس روزمرہ اپنے ماحول میں اپنے گھروں میں، اپنے تعلقات میں، ہمسایوں سے تعلقات میں، تمام بنی نوع انسان سے تعلقات میں اپنے اخلاق کو بہتر بنائیں اور اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے بہت باریک نظر سے دیکھنا پڑتا ہے کیونکہ اپنی بدخلقی انسان کو خود نظر نہیں آتی، سب سے بڑی مصیبت یہ ہے لیکن اگر باشعور ہو اور اللہ کو یاد کرنے والا ہو تو پھر اپنا نفس نہیں بھلا سکتا انسان، پھر خدا کی آنکھ سے دیکھنے لگتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے متقی کی تعریف ہی یہ فرمائی ہے **التقو افراست المومن فانه يرى بنور الله** (ترمذی کتاب تفسیر القرآن حدیث: 3052) متقی کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پس جس کا خلق اسے خدا کے قریب کر دیتا ہے اور خدا کے خلق کو اپنا لیتا ہے اس کے اندر خدا کے نور سے دیکھنے کی صفت بھی پیدا ہوتی ہے اور اس نور سے پھر کوئی اندھیرا باقی نہیں رہتا جو اس کی موجودگی میں قائم رہے اپنے نفس کے اندھیرے بھی روشن ہو جاتے ہیں۔ پس کسی نے اگر اپنے نفس کی بصیرت حاصل کرنی ہے تو لازم ہے کہ اللہ کے نور سے دیکھنے کی عادت ڈالے اور اللہ کے نور کا ایک یہ مطلب بھی ہے کہ انصاف کی نظر پیدا کرے انصاف کا سرچشمہ خدا ہے۔ خدا کا نور بدصورت کو بدصورت اور خوبصورت کو خوبصورت دکھاتا ہے اور یہ انصاف کی ایک بنیادی تعریف ہے کہ جیسی کوئی چیز ہے ویسا ہی دکھائے اس کو۔ تو اللہ کے نور سے دیکھنے کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق تصور نہیں باندھا کرتے اور اپنے تعلقات کے نتیجے میں وہ لوگوں کے حلیئے نہیں بگاڑتے یا تصور میں ان کو زیادہ حسین نہیں بنا دیتے۔ وہ لوگ جو خدا کے نور کے بغیر دیکھتے ہیں بعض دفعہ ان کے محبوب ان کو ایسے خوبصورت دکھائی دیتے ہیں کہ کوئی خرابی کا شائبہ تک ان میں دکھائی نہیں دیتا اور بعض لوگ جو ان کے دشمن ہوں ان کو ایسے بدصورت دکھائی دیتے ہیں کہ حسن کا کوئی اشارہ تک ان میں نہیں پایا جاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے نور سے نہیں دیکھتے کیونکہ خدا کے نور کا تقاضا یہ ہے کہ انصاف کی نظر سے دیکھیں جو چیز جیسی ہے ویسی دکھائیں۔

اب یہ جو سورج ہے یہ بھی تو خدا کا نور ہے اب دیکھیں سورج ہر چیز کو اپنی اصلیت میں

دکھاتا ہے۔ جو گڑھا ہے اس کو گڑھا دکھائے گا، جو پہاڑی ہے اس کو پہاڑی دکھائے گا، جو کالا ہے اس کو کالا دکھائے گا، جو گورا ہے اس کو گورا دکھائے گا، یہ نور اللہ کی صفات ہیں۔ تو انسان کو یہ نظر پیدا کرنی چاہئے جو تقویٰ کے بغیر ہو نہیں سکتی اور تقویٰ کی نظر ایسی واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ کسی کونے کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی اور اس کا نام آنحضرت ﷺ نے فراست رکھا۔ فراست کی پتا نہیں کیا تعریفیں دنیا نے کی ہوں گی مگر سب سے اعلیٰ اور سب سے روشن تعریف فراست کی یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کے اپنے اصل حال اور صحیح حال کے اوپر دیکھ لے۔ اپنے مقام اور مرتبے کے مطابق نہ اس میں مبالغہ ہو، نہ کوئی کمی ہو۔ یہ صحیح فراست ہے اور یہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ تو اعلیٰ اخلاق پیدا ہوں تو فراست کا پیدا ہونا بھی لازم ہے اور فراست پیدا نہ ہو تو اعلیٰ اخلاق قائم نہیں ہو سکتے اور فراست کا برعکس یہ ہے کہ انسان خدا کے نور سے نہ دیکھے اور یہ روزمرہ کی جو پہچان ہے یہ اگر انسان ذرا بھی غور کرے تو کچھ مشکل نہیں ہے، ہر انسان اپنے متعلق غور کر کے دیکھ سکتا ہے کہ دیکھیں کتنا کس طرح اس کے جو قریب ہے وہ سب اچھے ہو جاتے ہیں جو اس سے دور ہیں وہ سارے برے ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص جو قریب تھا اگر کسی وجہ سے اس سے ناراض ہو گیا تو اچانک اس میں سب برائیاں آ جاتی ہیں۔ یہ اللہ کے نور سے دیکھنے والی بات نہیں ہے۔ یہ تعصّبات کی دنیا ہے اور تعصّبات کا نور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تعصب رکھنا یہ بدخلقی کی بدترین قسموں میں سے ایک ہے۔

پس بات آپ کسی حوالہ سے شروع کریں کسی اصطلاح میں کریں وہیں توحید پر ہی بات جا کے ٹوٹے گی اگر آپ کے اندر تضادات ہیں تو آپ توحید سے دور ہیں۔ اگر آپ کے اندر تضادات ہیں تو آپ کا خلق خدا کے خلق سے دور ہے اور اسی حد تک آپ کے اندر کمزوریاں اور بیماریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں۔ جب تک آپ ان تضادات کو دور نہیں کرتے آپ کا توحید باری تعالیٰ سے تعلق قائم نہیں ہو سکتا اور توحید کے بغیر آپ دنیا میں انقلاب برپا نہیں کر سکتے۔ پس خلق کی بلندی درحقیقت توحید ہی کا دوسرا نام ہے۔ خلق توحید کی طرف لے کے جاتا ہے اور توحید خلق میں ایک نئی جلا پیدا کرتی ہے اور جب توحید کے اثر سے اخلاق ترقی کرتے ہیں تو کھرے کھوٹے کی تمیز تو رہتی ہے لیکن ناانصافی اڑ جاتی ہے اور کھرے کھوٹے کی تمیز ہوتے ہوئے بھی ناانصافی کا ایک ذرہ دخل

نہیں ہوتا۔ جو جتنا کھرا ہے اتنا دکھائی دیتا ہے جو جتنا کھوٹا ہے اتنا کھوٹا معلوم ہوتا ہے اور ایسی صورت میں ایک عالمی تعلق کی بنیاد ڈالی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ کو جو کل عالم کے لئے رسولؐ بنا کے بھیجا گیا ہے اس کا گہرا تعلق اس خلق سے ہے جو توحید کے نتیجے میں آپ کے وجود میں غیر معمولی طور پر صیقل کیا گیا۔ ایک روشنی کا جہان آپ کے وجود میں سے پھوٹا ہے اور وہ اللہ کا نور تھا اور وہ نور تھا جو مشرق اور مغرب میں تمیز نہیں کرتا، جو شمال اور جنوب میں تمیز نہیں کرتا۔ دیکھتا سب کچھ ہے اور اپنی اصلی حالت پر ہر ایک چیز دکھاتا ہے لیکن تعصّبات سے پاک ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو سمجھ کر اپنائے بغیر جماعت احمدیہ اپنے اعلیٰ مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتی اور جتنی جلد ہم انفرادی طور پر اپنے اندر یہ پاک تبدیلیاں پیدا کریں گے اتنی جلد ہم دنیا میں عظیم انقلاب برپا کرنے کی اہلیت حاصل کرلیں گے اور اس کے بغیر وہ انقلاب ہونا نہیں ہے جہاں مرضی آپ بیٹھے رہیں جس مرضی تصور میں وقت گزاریں۔ انقلاب کے لئے تبلیغ ضروری ہے اور بعض دفعہ تبلیغ سے کچھ بیعتیں بھی ہاتھ آجاتی ہیں مگر وہ انقلاب نہیں کہلا سکتا جب تک آپ کا حسن خلق آپ کے پیدا کردہ نو مبائعین میں سرایت کر کے ان میں بھی اسی حد تک اخلاقی انقلاب پیدا نہ کرنا شروع کر دے اس لئے اس پر بھی راضی نہ ہوں کہ آپ نے تبلیغ کی اور ایک ہزار احمدی ہو گئے یا دس ہزار احمدی ہو گئے۔ تبلیغ کی روح خلق میں تبدیلی ہے، اخلاقی انقلاب ہے۔ اگر آپ کی تبلیغ سے آپ کا اخلاقی انقلاب جو پہلے آپ کے اندر برپا ہوا ہے دوسروں میں سرایت کر رہا ہے اور اسی جذبے کے ساتھ ان کو اپنے وجود کی نئی شناسائی حاصل ہوتی ہے اور اسی جذبے کے ساتھ وہ شناسائی اللہ کی شناسائی کے ساتھ امتزاج پکڑ جاتی ہے، اس کی ذات میں مل جاتی ہے جب یہ ہوگا تو وہ حقیقی انقلاب کی بنیاد ہوگی۔ اگر یہ نہیں ہے تو یہی تعداد بعض دفعہ مصیبت کا موجب بن جاتی ہے یعنی نام کے احمدی بن گئے ہیں اور ان کے اندر پاک تبدیلیاں نہیں پیدا ہو رہیں۔ نتیجۃً یہ لوگ بجائے اس کے کہ آپ کے نام کے لئے عزت کا موجب بنیں یا واقعۃً دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی راہ میں ایک مفید وجود ثابت ہوں یہ برعکس نتیجہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اپنی بدیوں کو آپ کے اندر داخل کرنے لگ جاتے ہیں ان کی کمزوریاں آپ کے اندر سرایت کرنے لگ جاتی ہیں۔ آپ ان کو اگر اس طرح Accept کر لیتے ہیں، اس طرح قبول کر لیتے ہیں کہ ٹھیک ہے نام بدل لیا، اپنے آپ کو احمدی کہنے لگ گئے تو یہی کافی ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جن برائیوں کے

ساتھ وہ غیر احمدی تھے یا غیر مسلم تھے انہیں برائیوں کے ساتھ، صرف لیبل ہی بدلا ہے نا، وہ احمدی یا مسلم کہلائیں گے۔تو جب آپ نے ان کو اس حیثیت سے قبول کرلیا کہ تمہاری بیماریاں اپنی جگہ رہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تو ان بیماریوں کو اپنے وجود میں سرایت کرنے کا موقع دے دیا آپ نے اور باقی سب بھی دیکھ کر یہی سمجھتے ہوں گے کہ ہاں بس صرف نام ہی بدلنا تھا اور کیا فرق پڑنا تھا وہ نام بدل گیا۔ اس لئے ہم بھی انہیں برائیوں کے ساتھ رہ کر اسی نام کے اندر رہ سکتے ہیں۔

تو یہ جو منطقی بحثیں ہیں دیکھنے میں تو لگتا ہے کہ بڑی نکتے سے نکتہ نکال کر منطقی بحثیں کی جارہی ہیں مگر یہ منطقی بحثیں نہیں ہیں بالکل حقیقت ہے۔ وہ شخص جس کو اللہ سے محبت ہے، اللہ سے پیار ہے اس کا خلق، خلق خداوندی بن رہا ہے وہ جب کسی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے تو راضی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے اندر ویسی ہی پاک تبدیلیاں پیدا نہ ہوں جیسی اس کے اندر پیدا ہورہی ہیں ان تبدیلیوں کی طرف نظر رکھیں، اپنی ذات میں نگرانی رکھیں کہ آپ کے اندر وہ تبدیلیاں پیدا ہو بھی رہی ہیں کہ نہیں اور جو اچھی بات آپ کے اندر پیدا ہورہی ہے، جو اخلاق سنور رہے ہیں، جن کو آپ خدا کے فضل کے ساتھ دعوت الی اللہ کے ذریعے جماعت میں داخل کرتے ہیں لازماً آپ کو دیکھنا ہوگا کہ ان میں بھی وہ پاک تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں کہ نہیں۔

پس دراصل ہر مبلغ جب تبلیغ میں کامیاب ہوتا ہے تو اس کا سفر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے مربی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے وہ پہلے مبلغ بنتا ہے پھر اسے لازماً مربی بننا ہوگا۔اگر یہ نہیں کرے گا تو پھر اسے استغفار کرنی چاہئے کیونکہ ہوسکتا ہے اس سے کچھ ایسے نقصانات جماعت کو پہنچیں کہ اس میں وہ بھی ذمہ دار ہو۔پس اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے یہ جو باتیں اخلاق کے حوالے سے میں کھول کھول کر بیان کررہا ہوں جیسا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی حدیث سے ثابت کیا ہے اخلاق کوئی مذہب سے الگ حیثیت نہیں رکھتے۔ دہریوں نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ اخلاق ہی دراصل وہ ہیں جو خدا کی ہستی پہ اعتماد کی جان ہیں اگر اخلاق کی طرف دنیا واپس لوٹے تو لازم ہے کہ وہ خدا کی طرف واپس لوٹے گی اور خدا سے جو دور جائے گا اس کا بداخلاق ہونا ضروری ہے یہ بھی از خود انہوں نے تسلیم کرلیا۔

پس روس میں جو انقلاب آخر پر جس نہج پہ روانہ ہوا اس نے ثابت کردیا کہ وہ لوگ جو اخلاق سے عاری رہ کر ایک بے خدا نظام کی حفاظت کا دعویٰ لے کر اٹھے تھے وہ کس بری طرح اس

میں ناکام رہے ہیں اور اب وہ عمارت مزید منہدم ہو رہی ہے، مزید اختلافات بیچ میں پیدا ہو رہے ہیں تو آپ کی جو روحانی عمارت ہے اس کی بقاء اور اس کا استحکام اخلاق حسنہ پر مبنی ہے اس حسن خلق پر مبنی کہنا چاہئے جو توحید ہی کا دوسرا نام ہے۔ وہ حسن خلق جو توحید کی طرف لے کے جاتا ہے اور توحید اس کے اندر ایک نئی جلا دکھاتی ہے اور اسکے اندر نئی قوتیں پیدا کرتی ہے اس حسن خلق کو اپنانے کی کوشش کریں، اسی کی طرف نگاہ رکھیں، اپنے گھر میں بھی، اپنے ماحول میں بھی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

مجھے لگتا ہے کہ اب جماعت احمدیہ اور اسلام کی فتح کے دن بہت قریب آ رہے ہیں مگر اس سے پہلے پہلے جو کچھ ہمیں کرنا ہے لازم ہے کہ میں آپ کو کھول کھول کر دکھاؤں تا کہ پھر یہ نہ کوئی کہہ سکے کہ ہمیں وقت پر متنبہ نہیں کیا گیا۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین